تاریخ اسلام اور مستشرقین

بسلسلہ : تحریک استشراق : ایک تعارف (۲)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

مستشرقین نے علوم اسلامیہ کی دیگر شاخوں کے ساتھ تاریخ پر بھی بہت کام کیا ہے اور اس میدان میں بھی ان کی تحقیق کا ایک بڑا حصہ بہتان، جھوٹ اور بے سروپا کہانیوں پر مبنی ہے تاکہ دین اسلام کی تصویر کو مسخ کیا جاسکے۔ فرانسیسی مستشرق کازانوفے (Paul Casanova (1861-1926 کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے کسی کو اس لیے اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا کہ آپ کا یقین تھا کہ آپ کی وفات کے ساتھ ہی قیامت قائم ہو جائے گی اور یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ جب آپ کی وفات کے ساتھ دنیا ختم نہ ہوئی تو ابوبکر صدیق کو قرآن مجید میں دو آیات ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ﴾ (آل عمران:۱۴۴) اور ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝۳۰﴾ (الزمر) کا اضافہ کرنا پڑا۔ کارل بروکلمان نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی مسلمانوں کا باہمی بغض وعناد پھٹ پڑا اور وہ باہم دست گریبان ہو گئے۔ جولیس ولہاوزن کا کہنا یہ ہے کہ آپ کی وفات کے ساتھ ہی دینداری ختم ہو گئی، قبائل مرتد ہو گئے اور کوئی نظم نہ ہونے کی وجہ سے جس کے ہاتھ اقتدار لگا، اُس نے اس پر قبضہ جما لیا۔ (۱)

ذیل میں ہم ان معروف مستشرقین میں سے چند ایک کے احوال اور نظریات کا جائزہ لے رہے ہیں جو تاریخ اسلامی میں بحث وتحقیق کے حوالے سے معروف ہیں۔

رینالڈ آلین نکلسن (Reynold Alleyne Nicholson) ۱۸۶۸۔۱۹۴۵ء

نکلسن برطانوی انگریز مستشرق ہے۔ اس نے اپنی تعلیم یونیورسٹی آف کیمبرج سے مکمل کی اور یہاں ہی ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۲۶ء تک فارسی زبان کے لیکچرر کے طور اپنی خدمات پیش کیں۔ اس کے بعد ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۳ء تک کیمبرج میں ہی عربی زبان کے پروفیسر کے طور کام کیا۔

نکلسن اسلامی لٹریچر اور صوفی ازم میں ایک ماہر اسکالر کے طور پر معروف ہے۔ بعض لوگ اسے رومی اسکالر بھی کہتے ہیں کہ اس نے مولانا روم کی مثنوی کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۰ء کے مابین ۸ جلدوں میں شائع ہوا۔ اُس نے اپنے شاگرد علامہ اقبالؒ کی کتاب 'اسرارِ خودی' کا بھی فارسی سے انگریزی میں "The Secrets of the Self" کے نام سے ترجمہ کیا۔ اس کی معروف کتب میں

A Literary History of the Arabs اور The Mystics of Islam ہیں جو بالترتیب ۱۹۰۷ء اور ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئیں۔

نکلسن نے عربوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اپنے پیش روؤں میں سے کریمر (Alfred Von Kremer 1828-1889)، گولڈزیہر، نولڈکے اور ولہاؤزن (Julius Wellhausenl 844-1918) سے بہت استفادہ کیا ہے۔ اُس نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں یہ بات بھی بیان کی ہے کہ اگرچہ میں نے بہت سے مقامات پر حوالہ نہیں دیا لیکن میری کتاب کا قاری اس کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ ضرور محسوس کرے گا کہ اس کتاب میں کریمر، گولڈزیہر، نولڈکے اور ولہاؤزن جیسی رہنما اور سند کی حیثیت رکھنے والی شخصیات سے کس قدر استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ میں نے انہی کے کام کو دراصل اپنی اس کتاب میں پیش کیا ہے۔ (۲)

نکلسن نے اپنی تاریخ کے جو مصادر بیان کیے ہیں، ان کے متعصب (biased) ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور استشراق کا ایک طالب علم بھی اس بات کو بخوبی جانتا ہے۔ نکلسن کے مصادر کی طرح یہ تعصب اس کی اپنی تحریروں میں بھی ہمیں ملتا ہے، مثلاً خلافت راشدہ اور بنواُمیہ کی خلافت کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ بنوعباس کی خلافت کے مقابلے میں یہ کسی حد تک بنجر اور فارغ دورِ حکومت تھا، کیونکہ بنوعباس ہی نے پہلی بار ایرانیوں کو اپنے قریب کیا اور ان کی تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کو اسلامی افکار میں مناسب جگہ دی۔ (۳)

وہ ایک طرف بنوعباس کی روشن خیالی کی وجہ سے ان کی تعریف کرتا ہے تو دوسری طرف بنواُمیہ کے بارے میں اس کا خیال یہ ہے کہ ان میں رتی برابر بھی دین موجود نہیں تھا۔ (۴) لیکن بنواُمیہ ہو یا بنوعباس وہ دونوں کی حکومتوں کو استبدادی حکومت قرار دیتا ہے۔

نکلسن کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ اسلامی روایات ہمیں یہ بتلاتی ہیں کہ بنواُمیہ کا دین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بنواُمیہ میں اگرچہ وہ دینداری نہیں تھی جو خلفائے راشدین میں تھی، لیکن ان میں بھی کچھ ایسے خلفاء ہمیں ملتے ہیں جو دینداری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (۶۱۔۱۰۱ھ) وغیرہ۔

بنوامیہ کا دورِ حکومت اگرچہ خلافتِ راشدہ کے برابر تو نہیں ہے لیکن مجموعی پہلو سے بنوعباس کے دورِ خلافت سے بہتر ہے۔ اگرچہ کمیاں کوتاہیاں اور شر کے پہلو دونوں ادوار میں موجود ہیں (۵) لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ (۶۱۔۱۰۱ھ) جیسے خلیفۂ راشد بنواُمیہ میں ہی پیدا ہوئے کہ جنہیں عمر ثانی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ 'اطلس تاریخ اسلام' کے مصنفین کا کہنا ہے کہ بنوامیہ کے دور میں سلطنتِ اسلامیہ کی حدود میں صحیح معنوں میں اضافہ ہوا ہے اور بنوامیہ نے جو سلطنت بنوعباس کو دی تھی، وہ اس میں اضافہ نہ کر سکے، بلکہ اس کے برعکس کچھ مفتوحہ علاقے بھی گنوا بیٹھے تھے۔ بنواُمیہ نے ایک طرف فارسیوں اور ترکوں کو اسلام میں داخل کیا تو دوسری طرف محمد بن قاسمؒ کے ذریعے ہندوستان میں اسلام کے دروازے کھول دیے۔ قتیبہ بن مسلم نے ماوراء النہر کے رستے چین تک اسلامی حدود کو وسعت دی تو مسلمہ بن عبدالملک نے وسطِ ایشیا کی ریاستوں پر دستک دی۔ اسی طرح اندلس کے رستے یورپ میں ایک اسلامی ریاست کا قیام بھی بنواُمیہ کا کارنامہ ہے۔ شمالی افریقہ کا علاقہ بھی بنواُمیہ ہی کے دور میں فتح ہوا۔ (۶)

اس کے برعکس بنوعباس محض بنوامیہ کے مفتوحہ علاقوں کی حفاظت پر لگے رہے اور سلطنت اسلامیہ میں ترکی

کے مشرق میں موجود ایک چھوٹے سے علاقے کے علاوہ کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکے۔

کارل بروکلمان (Carl Brockelmann) ۱۸۶۸۔۱۹۵۶ء

کارل بروکلمان جرمن مستشرق ہے۔ وہ یونیورسٹی آف برلن میں بطور پروفیسر پڑھاتا رہا۔ اس کے معروف علمی کام میں عربی زبان وادب کی تاریخ پر کئی جلدوں میں اس کی کتاب Geschichte der arabischen Litteratur ہے جو ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۲ء کے مابین شائع ہوئی۔ اس کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ ڈاکٹر عبدالحلیم نجار نے 'تاریخ الأدب العربی' کے نام سے کیا ہے' جسے دارالمعارف نے شائع کیا ہے۔ اس کی دیگر کتب میں Syrische Grammatik mit Litteratur اور Chrestomathie und Glossar اور Semitische Sprachwissenschaf اور Lexicon syriacum ہیں۔

تاریخ اسلام پر بروکلمان کی معروف کتاب Geschichte der islamischen Völker und Staaten ہے جس کا انگریزی ترجمہ "History of the Islamic Peoples" کے نام سے ہوا ہے اور اس کے مترجمین جوئل کارمائیکل (Joel Carmichael) اور موشے پرلمان (Moshe Perlmann) ہیں۔ اس ترجمے کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ 'تاریخ الشعوب الاسلامیۃ' کے نام سے ہوا ہے اور اس کے مترجمین نبیہ امین فارس اور منیر البعلبکی ہیں۔ اسے دارالعلم للملایین' بیروت نے شائع کیا ہے۔ عربی ترجمے کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ بروکلمان کی یہ کتاب اسلام کے خلاف جھوٹ اور بہتان سے بھری پڑی ہے۔ بیت اللہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے حجر اسود کے بارے میں بروکلمان یہ کہتا ہے کہ یہ اس علاقے کا قدیم ترین بت ہے کہ جس کی عبادت کی جاتی رہی۔ (۷) بروکلمان اپنے اس بیان کے ذریعے صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ حجر اسود عرب قوم کا ایک بت تھا کہ جس کی قدیم زمانے سے پوجا کی جاتی رہی تھی اور اسلام میں بھی اس بت کے اس مقام کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہ بات تاریخ عرب کا ایک ادنیٰ سا طالب علم بھی جانتا ہے کہ مشرکین نے کبھی بھی حجر اسود کی عبادت نہیں کی جیسا کہ وہ لات' منات' عزیٰ اور ہبل وغیرہ کو پوجتے تھے۔ حجر اسود اُن کے باطل معبودوں میں کبھی بھی نہیں رہا۔ رہی بات حجر اسود کے بوسہ لینے کی تو یہ ہرگز اس کی پوجا کے مترادف نہیں ہے' جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حجر اسود کا بوسہ لیتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُقَبِّلُكَ' وَاِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ' وَاَنَّكَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ' وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَبَّلَكَ مَا قَبَّلْتُكَ (۸)

''اللہ کی قسم! میں تمہیں بوسہ دے رہا ہوں جبکہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے' اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تو نہ تو کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

اور اس کو بوسہ دینے کا پس منظر بھی یہ ہے کہ یہ جنتی پتھر ہے اور بوسہ کے ذریعے بنو آدم کے گناہ اپنے اندر سمو

لیتا ہے‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندوں کے گناہوں کی بخشش کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ آدَمَ))(۹)

’’حجر اسود جنت سے نازل ہوا اور اس کا رنگ دودھ سے زیادہ سفید تھا‘ لیکن بنو آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔‘‘

حضرت خالد بن ولید ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ کے دورِ خلافت میں مرتدین کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔ ان مرتدین میں سے کچھ لوگ ایسے تھے کہ جنہوں حضرت خالد بن ولید ؓ کا مقابلہ کرنے کی بجائے دوبارہ اسلام قبول کرنے کو ترجیح دی۔ بروکلمان کے بقول انہی میں سے ایک مالک بن نویرہ بھی تھا جس کا دوبارہ اسلام لانا حضرت خالدؓ نے اُس کی خوبصورت بیوی سے شادی کرنے کی خواہش میں قبول نہ کیا تھا اور اسے ناحق قتل کر دیا تھا۔(۱۰)

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جب حضرت خالد بن ولید ؓ کو مرتدین کی سرکوبی کے لیے بھیجا تھا تو یہ ہدایت جاری کی تھی کہ جب بھی کسی قبیلے یا قوم سے سامنا ہو تو پہلے یہ دیکھیں کہ وہ اذان دے کر نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔ اگر تو وہ لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہوں تو ان سے زکوٰۃ کا سوال کریں۔ اگر وہ زکوٰۃ بھی ادا کر دیں تو ان کا رستہ چھوڑ دیں۔

جب مسلمان گھڑ سواروں کا ایک دستہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس آیا تو ان میں اس بات میں اختلاف ہو گیا کہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں نے اذان یا اس کا جواب دیا ہے یا نہیں۔ ابوقتادہ ؓ کا کہنا یہ تھا کہ انہوں نے اذان کہی ہے اور نماز بھی پڑھی ہے‘ جبکہ بقیہ لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ ہم نے انہیں نہ تو اذان کہتے سنا ہے اور نہ ہی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ تک جب یہ معاملہ پہنچا تو انہوں نے کہا کہ انہیں فی الحال قید کر لو‘ بعد میں ان کا معاملہ دیکھتے ہیں۔ رات کو سخت سردی پڑی تو حضرت خالد بن ولید ؓ کے منادی نے ’’**دافئوا أسراکم**‘‘ کی آواز لگائی‘ جس کا معنی تھا کہ اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے فراہم کرو۔ لیکن بنو کنانہ کی زبان میں اس کا مطلب قتل کرنے کا تھا‘ لہٰذا ضرار بن اَزور جو قیدیوں کی نگرانی پر مامور تھے اور وہ کنانی تھے‘ انہوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ چیخ و پکار سن کر باہر نکلے اور انہیں اس معاملے کا علم ہوا تو انہوں نے اسے اللہ کی تقدیر قرار دیا۔ اس کے قتل کے بعد حضرت خالد بن ولید ؓ نے اُس کی بیوی سے شادی کر لی۔ مالک بن نویرہ کے بھائی نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ سے اس بارے میں بات کی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر ؓ کو خالد بن ولید ؓ کو معزول کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مالک بن نویرہ کے قتل کے معاملے میں تو حضرت خالد کی معذرت قبول کر لی اور اس کی دیت ادا کر دی‘ لیکن اس کی بیوی سے شادی کے معاملے میں انہیں سرزنش کی کہ یہ اہلِ عرب کی روایت کے خلاف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت خالد ؓ کو اُن کے عہدے پر برقرار رکھا۔ اس روایت کو ابن الاثیر (متوفی ۶۳۰ھ) اور ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) نے بیان کیا ہے(۱۱) جبکہ مالک بن نویرہ کے قتل کی کیفیت کو کچھ فرق کے ساتھ بیان کرتے ہوئے تقریباً ایسا ہی واقعہ امام ابن کثیرؒ (متوفی ۷۷۴ھ) نے بھی نقل کیا ہے۔(۱۲)

اس واقعے پر مزید تبصرہ سے پہلے ہم یہ بیان کرنا چاہیں گے کہ حضرت خالد بن ولید ؓ کو اللہ کے رسول ﷺ نے جنگ موتہ کے موقع پر 'سیف اللہ' یعنی اللہ کی تلوار قرار دیا تھا اور اسی وقت سے ان کا نام ہی یہی پڑ گیا تھا۔ (۱۳)

بروکلمان نے یہ واقعہ یعقوبی اور اصفہانی سے نقل کیا ہے۔ تاریخ یعقوبی کے مصنف کا نام احمد بن ابی یعقوب (متوفی ۲۹۰ھ) ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے تاریخ کی اس کتاب کو شیعہ امامیہ فرقے کے منہج پر لکھی گئی تواریخ کے مصادر میں سے شمار کیا ہے' کیونکہ صاحب کتاب نے خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے لیے خلیفہ کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے اور حضرت علی ؓ کو اللہ کے رسول ﷺ کا وصی قرار دیا ہے۔ اس تاریخ میں حضرت خالد بن ولید ؓ کے علاوہ خلفائے ثلاثہ' حضرت عائشہ' حضرت عمرو بن العاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی جھوٹی اور واہیات خبریں نقل کی گئی ہیں۔ تاریخ کی جس کتاب میں "بيان كفر أبي بكر وعمر" کے نام سے باقاعدہ باب باندھا گیا ہو' اس کے متعصب یا جھوٹا ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے!

جہاں تک ابوالفرج علی بن الحسین اصفہانی (متوفی ۳۵۶ھ) کی کتاب کا معاملہ ہے تو وہ ادب کی کتاب ہے نہ کہ تاریخ کی۔ ابوالفرج اصفہانی کی اس کتاب کے بارے میں بھی اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ اہل تشیع کے منہج پر مرتب کی گئی ہے۔ خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ)' علامہ ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) اور امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) وغیرہ نے اس کتاب پر اس اعتبار سے شدید نقد کی ہے کہ یہ رطب و یابس کا مجموعہ ہے اور کذب و افتراء سے بھری پڑی ہے۔ (۱۴) یہ دونوں کتابیں تاریخ اسلام پر طعن کے لیے مستشرقین کے بنیادی مصادر میں سے ہیں۔ (۱۵)

بروکلمان کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ عراق کے موالی (غیر عرب مسلمانوں) کو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا تھا۔ (۱۶)

بروکلمان کا یہ دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے۔ تاریخ اسلامی کے سینکڑوں واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ موالی (غیر عرب مسلمانوں) کو عرب مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل تھے۔ قاضی شریح جو کہ حضرت عمر ؓ کے زمانے سے عبدالملک بن مروان کے زمانے تک کوفہ کے قاضی رہے' موالی میں سے تھے۔ بعد ازاں حجاج بن یوسف ثقفی نے سعید بن جبیر کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو لوگوں کے اعتراض پر ابو بردہ کو مقرر کر دیا' لیکن ساتھ ہی انہیں یہ حکم بھی دے دیا کہ کسی بھی امر کا فیصلہ سعید بن جبیر کے مشورے کے بغیر نہ کریں۔ عامر شعبی کوفہ میں جبکہ حسن بصری بصرہ میں اور عبداللہ بن یزید مصر کے قاضی تھے اور یہ سب موالی میں سے تھے۔ یزید بن ابی حبیب' عبداللہ بن جعفر اور لیث بن سعد مصر کے کبار مفتیوں میں سے تھے اور یہ بھی موالی میں سے تھے۔ (۱۷)

امام زہری اور عبدالملک بن مروان کے مابین پہلی ملاقات کا ایک مکالمہ بہت معروف ہے جسے علامہ ابن جوزی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ اس مکالمہ کے الفاظ یہ ہیں:

"قدمتُ على عبد الملك بن مروان، فقال لي: من أين [قدمتَ] يا زهري؟ قلتُ من مكة،

فقال: من خلفتَ بها يسود أهلها؟ قلتُ: عطاء بن أبى رباح، قال: فمن العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من الموالى، قال: وبم سادهم؟ قلتُ: بالدّيانة والرواية، قال: إنّ أهل الديانة والرواية لينبغى أن يسودوا، فمن يسود أهل اليمن؟ قلتُ: طاؤس بن كيسان۔ قال: من العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من الموالى، قال: وبم سادهم؟ قلتُ: بما سادهم به عطاء، قال: إنه لينبغى۔ قال: فمن يسود أهل مصر؟ قلتُ: يزيد بن أبى حبيب، قال: فمن العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من الموالى، قل: فمن يسود أهل الجزيرة؟ قلتُ: ميمون بن مهران، قال: فمن العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من الموالى، قال: فمن يسود أهل البصرة؟ قلتُ: الحسين بن أبى الحسين، قال: فمن العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من الموالى، قال: ويلك، فمن يسود أهل الكوفة؟ قلتُ: إبراهيم النخعى، قال: فمن العرب أم من الموالى؟ قلتُ: من العرب، قال: ويلك يا زهرى، فرجت عنى، واللّٰه ليسودن الموالى على العرب حتى يخطب لها على المنابر والعرب تحتها، قلتُ: يا أمير المؤمنين، إنما هو أمر اللّٰه ودينه، فمن حفظه ساد، ومن ضيّعه سقط۔" (۱۸)

''میں [زہری] عبدالملک بن مروان کے پاس آیا تو اُس نے مجھے کہا: تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا: مکہ سے ہوں۔ اُس نے کہا: اپنے پیچھے مکہ کی سیادت کس کے ہاتھ چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے جواب دیا: عطاء بن ابی رباح۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: موالی میں سے ہیں۔ اس نے کہا: وہ کس وجہ سے سیادت کے اہل ہیں؟ میں نے جواب دیا: دیانت اور روایت میں اہلیت کی بنیاد پر۔ اُس نے کہا: بلاشبہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ جس کی بنیاد پر سیادت ملنی چاہیے۔ اُس نے کہا: اہلِ یمن کی سیادت کس کے پاس ہے؟ میں نے جواب دیا: طاؤس بن کیسان کے پاس۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: موالی میں سے ہیں۔ اُس نے کہا: وہ کس وجہ سے سیادت کے اہل ہیں؟ میں نے جواب دیا: جس وجہ سے عطاء بن ابی رباح ہیں۔ اُس نے کہا: وہ اس لائق ہیں۔ اُس نے کہا: اہلِ مصر کی سیادت کس کے پاس ہے؟ میں نے جواب دیا: یزید بن ابی حبیب کے پاس۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: موالی میں سے ہیں۔ اُس نے کہا: اہل جزیرہ کی سیادت کس کے پاس ہے؟ میں نے جواب دیا: میمون بن مہران کے پاس۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: موالی میں سے ہیں۔ اُس نے کہا: اہل بصرہ کی سیادت کس کے پاس ہے؟ میں نے کہا: الحسین بن ابی الحسین کے پاس۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: موالی میں سے ہیں۔ اُس نے کہا: ستیاناس ہو اہل کوفہ کی سیادت کس کے پاس ہے؟ میں نے جواب دیا: ابراہیم نخعی کے پاس۔ اُس نے کہا: وہ عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟ میں نے جواب دیا: عرب میں سے ہیں۔ اُس نے کہا: ستیاناس ہو تم نے مجھے خوش کر دیا۔ اللہ کی قسم! یہ موالی' عربوں پر غالب آ جائیں گے۔ یہ منبروں پر خطبے دیں گے اور عرب ان کے سامنے بیٹھ کر سنیں گے۔ میں نے کہا: امیر المؤمنین! یہ اللہ کے دین کا معاملہ ہے۔ جس نے اس کی حفاظت کی' اسے سیادت ملے گی اور جس نے اسے ضائع کیا تو اس کا مقام گر جائے گا۔''

فیلپ خوری ہٹی (Philip Khuri Hitti) ۱۸۸۶۔۱۹۷۸ء

فیلپ خوری ہٹی لبنانی عیسائی اسکالر ہے' جس نے 'مطالعہ عرب ثقافت' کا موضوع امریکہ میں متعارف کروایا۔ امریکن یونیورسٹی آف بیروت سے تعلیم حاصل کی اور تعلیم سے فراغت کے بعد یہیں سے اپنی تدریس کا آغاز کیا۔ اُس نے ۱۹۱۵ء میں کولمبیا یونیورسٹی' امریکہ سے سامی زبانوں کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۲۶ء سے لے کر ۱۹۵۴ء تک پرنسٹن یونیورسٹی' امریکہ میں سامی (Semitic) ادب کا پروفیسر اور مشرقی زبانوں کے شعبہ کا چیئرمین رہا۔ اس کی معروف کتب میں History of the Arabs ہے جو پہلی مرتبہ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی۔ علاوہ ازیں کتب میں The Arabs: A Short History اور History of Syria: including Lebanon and Palestine اور Lebanon in History اور The Near East in History اور Islam and the West اور Makers of Arab History اور Islam: A Way of Life اور Capital cities of Arab Islam ہیں' جو بالترتیب ۱۹۴۳ء' ۱۹۵۷ء' ۱۹۵۷ء' ۱۹۶۱ء' ۱۹۶۲ء' ۱۹۶۸ء' ۱۹۷۰ء' ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئیں۔

پروفیسر فیلپ خوری ہٹی نے اگرچہ اپنی بعض تحریروں میں اسلام کے حق میں کلمہ خیر بھی کہا ہے لیکن اس کی اس کتاب میں کئی ایک ایسے تاریخی واقعات منقول ہیں کہ جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ہٹی کا کہنا ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے بیت المقدس میں قبۃ الصخرۃ اس لیے بنوایا تھا کہ مکہ کے حاجیوں کے قافلوں کا رخ بیت اللہ سے ہٹا کر بیت المقدس کی طرف پھیر دے' کیونکہ بیت اللہ پر اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیر کا قبضہ تھا۔ (۱۹)

ہٹی نے عبدالملک بن مروان کے بارے میں اس خبر کی بنیاد 'تاریخ یعقوبی' کو بنایا ہے' جس کے مستند نہ ہونے کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہ بات البتہ درست ہے کہ عبدالملک بن مروان (۲۶۵ھ) کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (۷۳ھ) خلافت کے زیادہ حقدار اور اہل تھے۔ وہ نہ صرف صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے بلکہ یزید کے بعد مسلمانوں کے نو سال تک خلیفہ رہے۔ ان کی خلافت پہلے حجاز میں قائم ہوئی اور اس کے بعد عراق' مصر اور دیگر بلادِ اسلامیہ تک پھیل گئی۔ (۲۰)

ہیملٹن گب (Hamilton Alexander Rosskeen Gibb) ۱۸۹۵۔۱۹۷۱ء

ہیملٹن الیگزینڈر راسکین گب اسکاٹش مستشرق ہے۔ ابتدائی تعلیم یونیورسٹی آف ایڈنبرگ سے حاصل کی۔ اس نے پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانوی شاہی رجمنٹ (Royal Regiment of Artillery) کے ایک سپاہی اور آفیسر کے طور پر فرانس اور اٹلی میں کام کیا۔ اسے اس کی جنگی خدمات پر ماسٹر آف آرٹس کا ایوارڈ بھی دیا گیا۔ جنگ کے خاتمے پر اس نے لندن یونیورسٹی میں School of Oriental and African Studies میں عربی زبان کی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۲۲ء میں یہیں سے ایم اے کیا۔ گِب ۱۹۳۰ء میں اسی یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوا اور ۱۹۳۷ء تک اُس نے یہاں عربی زبان کی تعلیم دی۔ اس دوران وہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (Encyclopaedia of Islam) کا ایڈیٹر بھی رہا۔ ۱۹۵۵ء میں ہارورڈ یونیورسٹی کو بطور عربی

پروفیسر جائن کیا۔

اس کی معروف کتب میں Arabic Literature: An Introduction اور Modern Trends in Islam اور Studies on the Civilization of Islam اور Shorter Encyclopedia of Islam ہے' جس کی اس نے ایڈیٹنگ کی ہے اور یہ ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا ہے۔

تاریخ اسلام پر اس کی کتاب Mohammedanism: An Historical Survey کے نام سے ہے' جو پہلے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی اور پھر ۱۹۸۰ء میں ایک نئے عنوان Islam: An Historical Survey کے ساتھ شائع ہوئی۔

ہیملٹن کا اسلام کے بارے میں موقف تضادات کا مجموعہ ہے' مثلاً کبھی وہ قرآن مجید پر نقد کرنا شروع کر دیتا ہے(۲۱) تو کبھی اس کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔(۲۲) بعض اہلِ علم نے اسے اس کا فکری ارتقاء بھی قرار دیا ہے۔

"موسوعة المستشرقين" کے مؤلف ڈاکٹر عبدالرحمٰن بدوی کا کہنا یہ ہے کہ ہیملٹن کا اتنا علم نہیں ہے جتنا یہ معروف ہو گیا ہے اور اس کی شہرت کے اسباب بھی اس کے علمی کام کے علاوہ اس کی کچھ حرکات ہیں۔(۲۳) ہیملٹن گِب کے افکار کا محاکمہ ڈاکٹر ناصر عبدالرزاق الملا جاسم نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "المُستشرق هاملتون جب: دراسة نقدية لتطور موافقه من التاريخ والحضارة العربية الإسلامية" میں کیا ہے۔ علاوہ ازیں جامعہ ازہر سے سعید سلیم محمد رضوان نے بھی "شبهات المستشرق هاملتون حول الإسلام من خلال كتابه فى حضارة الإسلام وتفنيدها" میں بھی ہیملٹن کے افکار کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) ۱۹۱۶ء

برنارڈ لیوس برطانوی نژاد امریکی یہودی مستشرق ہے جو پرنسٹن یونیورسٹی میں اعزازی پروفیسر ہے اور ابھی تک حیات ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں برطانوی شاہی بکتر بند کور (Royal Armoured Corps) میں ایک سپاہی کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ جنگ سے واپسی پر ۱۹۴۹ء میں یونیورسٹی آف لندن میں School of Oriental and African Studies (Near and Middle Eastern History) میں مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ کی تاریخ کا استاذ مقرر ہوا۔ ۱۹۳۶ء میں اس نے یونیورسٹی آف لندن سے مشرق وسطیٰ کی تاریخ پر بی اے کی ڈگری حاصل کی اور اس کے تین سال بعد ہی تاریخ اسلام میں اسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کر لی۔ ۱۹۳۷ء میں یونیورسٹی آف پیرس سے پوسٹ گریجویشن کی تعلیم کے سلسلے میں منسلک ہوا' لیکن ایک ہی سال بعد ۱۹۳۸ء میں یونیورسٹی آف لندن کو اسسٹنٹ لیکچرر کے طور پر جوائن کر لیا۔ ۱۹۷۴ء میں پرنسٹن یونیورسٹی' امریکہ سے منسلک ہوا۔ ۱۹۸۶ء میں یہاں سے ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے کارنل یونیورسٹی (Cornell University) کو جوائن کیا۔

۱۹۶۶ء میں اس نے شمالی امریکہ کی علمی سوسائٹی Middle East Studies Association of

North America (MESA) کو بطور تاسیسی ممبر کے جوائن کیا' لیکن ۲۰۰۷ء میں اس نے اس تنظیم کو چھوڑ کر اپنی نئی تنظیم Association for the Study of the Middle East and Africa (ASMEA) کے نام سے بنالی' کیونکہ پہلی تنظیم میں ایسے امریکن اسکالرز کی کثرت تھی جو مشرق وسطیٰ میں امریکی اور اسرائیلی کردار پر شدید نقد کرتے تھے' جبکہ برنارڈ لیوس امریکی اور اسرائیلی حکومت کا پُرزور حمایتی تھا۔

۱۹۹۰ء میں اس نے امریکی وفاقی حکومت کے تحت اپنے مشہور زمانہ لیکچرز دیے جو بعد ازاں The Roots of Muslim Rage کے نام سے شائع ہوئے ۔اس کی کتب میں The Origins of Ismailism (1940) اور The Arabs in History (1950) اور Istanbul and the Civilizations of the Ottoman Empire (1963) اور The Middle East and the West (1964) اور The Assassins: A Radical Sect in Islam (1967) اور History - The Muslim Discovery of Europe (1982) اور Remembered, Recovered, Invented (1975) اور The Jews of Islam (1984) اور Islam from the Prophet Muhammad to the Capture of Constantinople (1987) اور The Political Language of Islam (1988) اور Islam and the West (1993) اور Islam in History (1993) اور The Shaping of the Modern Middle East (1994) اور Cultures in Conflict (1994) اور The Middle East: A Brief History of the Last 2,000 Years (1995) اور The Future of the Middle East (1997) اور What Went Wrong?: The Clash Between Islam and Modernity in the Middle East (2002) اور The Crisis of Islam: Holy War and Unholy Terror (2003) اور From Babel to Dragomans: Interpreting the Middle East (2004) اور Islam: The Religion and the People (2008, with Buntzie Ellis Churchill) اور Faith and Power: Religion and Politics in the Middle East (2010) اور The End of Modern History in the Middle East (2011) ہیں۔

برنارڈ لیوس کو مغرب میں مشرق وسطیٰ کی تاریخ پر ایک سند کی حیثیت سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کے اثر ورسوخ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بش انتظامیہ اپنے دور حکومت میں اس کے مشوروں سے پالیسی مرتب کرتی تھی۔ اسے The most influential postwar historian of Islam and the Middle East کا ٹائٹل بھی دیا گیا۔

فلسطینی نژاد پروٹسٹنٹ مستشرق ایڈورڈ سعید (Edward Said) نے برنارڈ لیوس کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کی کتاب "Orientalism" اپنے موضوع پر ایک مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب نے یورپ میں تحریک استشراق کو دیکھنے کا تناظر ہی بدل ڈالا۔ ایڈورڈ سعید اور برنارڈ لیوس کے مابین تقریباً پچیس سال تک زبردست قلمی مکالمہ (bloody academic battle) ہوا۔ ان دونوں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے مغرب میں مشرق وسطیٰ اور اسلام کی تاریخ کے حوالہ سے دو مستقل مکاتب فکر وجود میں آ گئے ہیں۔ ایڈورڈ سعید نے برنارڈ

لیوس کو صہیونی سازشوں کا شکار ہونے اور اسرائیل کی وسعت کے لیے پروپیگنڈا مہمیں چلانے کا بھی الزام دیا ہے۔ (۲۴)

ڈاکٹر مازن صلاح مطبقانی نے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ برنارڈ لیوس پر کیا ہے جس کا عنوان "**منهج المستشرق برنارد ليوس فى دراسة الجوانب الفكرية فى التاريخ الإسلامى**" ہے۔ ڈاکٹر سامی احمد الزھو کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی برنارڈ لیوس کے بارے میں ہے' جس کا عنوان "**اتجاهات الاستشراق الإمريكى والتاريخ الإسلامى: برنارد ليوس أنموذجا**" ہے۔

مصادر و مراجع:

ا۔ فاروق عمر فوزی الأستاذ الدکتور، الاستشراق والتاریخ الإسلامی، منشورات الأهلیة، لبنان، ۱۹۹۸ء، ص۷۹۔ ۸۰۔

2- Finally, it behoves me to make a full acknowledgement of my debt to the learned Orientalists whose works I have studied and freely 'conveyed' into these pages. References could not be given in every case, but the reader will see for himself how much is derived from Von Kremer, Goldziher, Noldeke, and Wellhausen, to recall only a few of the leading authorities. (Reynold, A. Nicholson, Literary History of the Arabs, New York: Charles Scribner's Sons, 1907, p. xii)

3- The Abbasids were no less despotic than the Umayyads, but in a more enlightened fashion; for, while the latter had been purely Arab in feeling, the Abbasids owed their throne to the Persian nationalists, and were imbued with Persian ideas, which introduced a new and fruitful element into Moslem civilization. (Ibid., p. 182); From our special point of view the Orthodox and Umayyad Caliphates, which form the subject of the present chapter, are somewhat barren. (Ibid., p. 183)

4- According to moslem notions the Umayyads were kings by right, Caliphs only by courtesy. They had, as we shall see, no spiritual title, and little enough religion of any sort. (Ibid., p. 181)

۵۔ بنوامیہ میں اگر حجاج (متوفی ۹۵ھ) ہے تو بنوعباس میں سفاح (متوفی ۱۳۵ھ) ہے' اگرچہ حجاج بن یوسف کا ظلم ابوالعباس السفاح سے بہت بڑھ کر ہے کہ جلیل القدر صحابہ' تابعین' تبع تابعین اور فقہاء کی جماعت بھی اس کے شر سے محفوظ نہ رہی۔ اس کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول معروف ہے کہ اگر تمام قومیں اپنے خبیثوں کو جمع کر لائیں تو پھر بھی ہمارے حجاج کے مقابلے میں ناکافی ہوں گے۔ یہ واضح رہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی بنوامیہ کے دور میں گورنر کے عہدے پر فائز تھا' کوئی خلیفہ نہیں تھا' لیکن پھر بھی بنواُمیہ کی خلافت پر ایک بہت بڑا دھبہ اور بدنما داغ ہے۔ ابوالعباس السفاح جو دولت خلافت عباسیہ کا بانی ہے' اُس نے اپنا لقب ہی سفاح یعنی خوب خونریزی کرنے والا رکھا۔ اُس نے چن چن کر اُمویوں کو قتل کیا' یہاں تک کہ ان کی قبروں سے انہیں نکلوا کر ان کی لاشوں کی بھی بے حرمتی کی۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق بنوعباس نے حضرت امیر معاویہؓ کی میت کو بھی قبر سے نکلوا کر اس کی بھی بے حرمتی کی تھی۔

٦۔ حسین مؤنس الدکتور' أطلس تاریخ القرآن' الزهراء للإعلام العربی' القاهرة' الطبعة الأولی' ۱۹۸۷ء' ص ۵۱۔

۷۔ "ولعله أقدم وثن عبد فى تلك الديار"۔ (بروکلمان کارل' تاریخ الشعوب الإسلامية' تعریب نبیه أمین

فارس ومنير البعلبكی، دار العلم للملایین، بیروت، الطبعة الخامسة، ۱۹٦۸ء، ص ۳۱۔

۸۔ مسلم بن حجاج القشیری، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول اللہﷺ المعروف بصحیح المسلم، کتاب الحج، باب استحباب تقبیل الحجر فی الطواف، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۹۲۵/۲۔

۹۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورة، سنن الترمذی، أبواب الحج، باب ما جاء فی فضل الحجر الأسود والرکن والمقام، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۲۱۷/۳۔

۱۰۔ "وعند ما ظهر خالد بن الولید فی منقطة تمیم، وجد الطاعة فی کل مکان تقریبا، إلا أن مالکا ابن نویرة، سید یربوع (أحد بطون حنظلة) الذی انفصل عن المدینة عقب وفاة محمد مباشرة ظل مؤمنا بسجاح، بید أنه عندما حاصره خالد بفصائله، عرض هو أیضا استسلامه، ومع ذلك سمح خالد بالقضاء علیه بقتله مع رجال آخرین وذلك لأنه اشتهی زوجته الجمیلة کما یروی"۔ (تاریخ الشعوب الإسلامیة: ص۴۳)

۱۱۔ ابن الأثیر الجزری، علی بن أبی الکرم محمد بن محمد الشیبانی، دار الکتاب العربی، لبنان، ۱۹۹۷ء، ۲۱۳/۲؛ ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد بن محمد الحضرمی، دیوان المبتدأ ولکبر فی تاریخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوی الشأن الأکبر المعروف بتاریخ ابن خلدون، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۸ء، ۵۰۰/۲۔۵۰۱۔

۱۲۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی، البدایة والنهایة، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء، ۳۵٤/٦۔

۱۳۔ أحمد بن محمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۲۰۰۱ء، ۲٤٦/۳۷۔

۱۴۔ الذهبی، محمد بن أحمد بن عثمان، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار المعرفة، بیروت، ۱۹٦۳ء، ۱۲۳/۳۔۱۲٤۔

۱۵۔ تاریخی روایات کے بیان میں پانچ کتابیں ایسی ہیں جنہیں اہل سنت والجماعت نے رطب ویابس کا مجموعہ قرار دیتے ہوئے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک کتاب امام ابن قتیبہ (متوفی ۲۷٦ھ) کی طرف منسوب ہے کہ جس کا نام "**الإمامة والسیاسة**" ہے۔ اہل سنت کے نزدیک اس کتاب کی نسبت امام ابن قتیبہ کی طرف ثابت نہیں ہے اور اس کے مصنف کوئی شیعہ فاضل ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ عسیلا نے اس موضوع پر ایک کتاب "**الإمامة والسیاسة فی میزان التحقیق العلمی**" مرتب کی ہے۔ دوسری کتاب "**نهج البلاغة**" ہے، جس کی نسبت حضرت علیؓ کی طرف کی جاتی ہے جبکہ یہ کتاب ان کی وفات کے ساڑھے تین سو سال بعد محمد بن الحسین شریف الرضی (متوفی ۴۰٦ھ) نے بغیر کسی سند کے مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی تنقیص اور اہانت موجود ہے کہ جس کے صدور کا حضرت علیؓ سے گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ابن خلکان (متوفی ٦۸۱ھ)، امام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ)، امام ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) اور امام ابن حجر (۸۵۲ھ) نے کہا ہے کہ اس کتاب میں اکثر اقوال حضرت علیؓ پر جھوٹ اور افتراء ہیں۔ (ابن حجر، أحمد بن علی بن محمد، لسان المیزان، مؤسسة الأعلمی، بیروت، ۱۹۷۱ء، ۲۲۳/٤) تیسری کتاب ابوالفرج اصفہانی کی "**کتاب الأغانی**" ہے۔ اس کتاب پر عراقی شاعر استاذ ولید اعظمی نے "السیف الیمانی فی نحر الأصفهانی صاحب الأغانی" کے نام سے شدید نقد کی

ہے۔ چوتھی کتاب 'تاریخ یعقوبی' ہے جس کا بیان گزر چکا' اور پانچویں کتاب "مروج الذهب ومعادن الجوهر" ہے جو 'تاریخ مسعودی' کے نام سے معروف ہے کہ جس کے مصنف کا نام علی بن الحسین المسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) ہے۔ امام ذہبی اور امام ابن حجر رحمہما اللہ نے صاحب کتاب کی طرف تشیع اور اعتزال کی نسبت کی ہے۔

۱۶) الاستشراق والتاريخ الإسلامی: ص۹۷۔

۱۷) ایضاً' ص ۱۱۵۔

۱۸) ابن الجوزی' عبد الرحمٰن بن علی بن محمد' المنتظم فی تاريخ الأمم والملوك' دارالكتب العلمية' بيروت' ۱۹۹۲ء' ۷/ ۲۰۔۲۱۔

19- In 691 Abd-al-Malik erected in Jerusalem the magnificent Dome of the Rock (Qubbat al-Sakhrah), wrongly styled by Europeans "the Mosque of Umar", in order to divert thither the pilgrimage from Makkah which was held by his rival ibn-al-Zubayr. (Philip K. Hitti, History of the Arabs, Macmillan and Co., London, 1946, p. 220)

۲۰۔ معاویہ بن یزید کے بعد مروان بن حکم نے پہلے پہل حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی مدینہ میں بیعت کا ارادہ کیا' لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بنو امیہ سے بہت نفرت تھی' جس کی ایک بڑی وجہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اہل مدینہ کا قتل عام بھی تھا' لہٰذا انہوں نے اس سے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں مروان بن حکم نے شام میں جا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف اپنی بیعت لینا شروع کر دی۔ مروان کے بعد اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان (۲۶۔۸۶ھ) نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے لڑائی جاری رکھی اور پہلے عراق پر قبضہ کیا اور پھر حجاز کی طرف حجاج بن یوسف (۴۰۔۹۶ھ) کو بھیجا۔ اہل علم کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ جب تک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت قائم رہی' اُس وقت تک مروان بن حکم اور اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان کا حکم باغیوں کا تھا' لیکن ان کی شہادت کے بعد اہل اسلام کا عبدالملک بن مروان کی حکومت پر اتفاق ہو گیا۔ ابن عبدالبر نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر' مروان بن حکم سے افضل اور خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ معاویہ بن یزید کے بعد امام' عبداللہ بن زبیرؓ ہیں کیونکہ معاویہ بن یزید کے بعد بلاد اسلام کی اکثریت نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی تھی اور وہ اس سے زیادہ ہدایت پر ہیں۔ امام ذہبی بھی عبداللہ بن زبیر ہی کو امیر المؤمنین قرار دیتے ہیں جبکہ امام ابن حزم اور امام سیوطی نے تو مروان بن حکم کو باغی قرار دیا ہے۔ (علی محمد الصلابی الدكتور' خلافة أمير المؤمنين عبد الله بن زبير' مؤسسة اقرأ' القاهرة' ۲۰۰۶ء' ص ٦٤)

21- In the earliest period of his preaching Mohammed's utterances were delivered in a sinewy oracular style cast into short rhymed phrases, often obscure and sometimes preceded by one or more formal oaths. This style is admittedly that of the ancient kahins or Arabian oracle-mongers, and it is not surprising that Mohammed's opponents should have charged him with being just another such kahin. For this and other reasons his style gradually loosened out into a simpler but still rhetorical prose; and as social denunciations and eschatological visions passed into historical narrative, and that in turn at Medina into legislation and topical addresses, little was left of its original stylistic features but a loose rhyme or assonance marking the

end of each verse, now anything from ten to sixty words long...In trying to trace the sources and development of the religious ideas expounded in the Koran (a question, be it remembered, not only meaningless but blasphemous in Muslim eyes), we are still confronted with many unsolved problems. Earlier scholars postulated a Jewish source with some Christian additions. More recent research has conclusively proved that the main external influences (including the Old Testament materials) can be traced back to Syriac Christianity. (H A R Gibb, Mohammedanism, An Historical Survey, New York Oxford University Press, 1962, pp. 36-37.)

22- The Meccans still demanded of him a miracle, and with remarkable boldness and self confidence Mohammad appealed as a supreme confirmation of his mission to the Koran itself. Like all Arabs they were the connoisseurs of language and rhetoric. Well, then if the Koran were his own composition other men could rival it. Let them produce ten verses like it. If they could not (and it is obvious that they could not), then let them accept the Koran as an outstanding evident miracle. (H A R Gibb, Islam - A Historical Survey, Oxford University Press, 1980, p. 28); As a literary monument the Koran thus stands by itself, a production unique to the Arabic literature, having neither forerunners nor successors in its own idiom. Muslims of all ages are united in proclaiming the inimitability not only of its contents but also of its style...and in forcing the High Arabic idiom into the expression of new ranges of thought the Koran develops a bold and strikingly effective rhetorical prose in which all the resources of syntactical modulation are exploited with great freedom and originality. (H A R Gibb, Arabic Literature - An Introduction, Oxford at Clarendon Press, 1963, p. 36)

۲۳۔ عبد الرحمن بدوی الدکتور، موسوعة المستشرقین، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۹۳ء، ص۱۷٤۔

24 - Nassef M. Adiong, The Great Debate of the Two Intellectual Giants in Middle Eastern Studies of Postclonial Era: A Comparative Study on the Schemata of Edward Said and Bernard Lewis, University of Philiphines, Diliman, p. 1

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت، اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص:40روپے　　اشاعت عام:15روپے